ISSN Online: 3006-4708
SOCIAL SCIENCE REVIEW ARCHIVES ISSN Print: 3006-4694
https://policyjournalofms.com

احادیثِ نبویہ میں سوال، جواب، سکوت اور اختصار کی تداولی دلالتیں: خطابی اور اصولی فقہی تجزیہ

The Pragmatics of Question, Answer, Silence, and Brevity in Prophetic Hadith: A Discourse-Based and Usul al-Fiqh Analysis

Dr. Waleed Khan[1], Arshadhussain[2], Dr. Muhammed Abid Nadeem[3]

[1] Lecturer, Institute of Arabic & Islamic Studies, GC Woman university Sialkot. Email: waleedkhan764110.wk@gmail.com
[2] PhD scholar NCBA &E. Email:Arshadhussain862@gmail.com
[3] Associate Professor, Department of Arabic and Islamic Studies, GC University Lahore. Email: muhammadabid36@hotmail.com, dr.mabidnadeem@gcu.edu.pk

DOI: https://doi.org/10.70670/sra.v4i1.2674

Abstract

This study examines the pragmatic dimensions of question, answer, silence, and brevity in the prophetic hadith corpus through a combined framework of discourse analysis and the methodology of Islamic legal theory (usul al-fiqh). Proceeding from the premise that prophetic utterances are situated acts of communication rather than isolated propositions, the paper draws on speech act theory (Austin and Searle), Gricean implicature, and relevance theory (Sperber and Wilson), and places them in dialogue with the classical Arabic-Islamic disciplines of balagha and usul, notably the contributions of al-Jurjani, al-Sakkaki, al-Shafi'i, al-Ghazali, and al-Shatibi. Four research questions guide the inquiry: how interrogative acts addressed to the Prophet carry different illocutionary forces; why prophetic responses frequently exceed, redirect, or reformulate the question posed; how silence (sukut) and tacit approval (taqrir) function as legally probative communicative acts; and how the economy of expression described in the tradition as jawami' al-kalim generates interpretive and legislative consequences. Employing a descriptive, analytical, and comparative method, the study analyses representative narrations from the canonical collections and evaluates the usuli rules governing the evidentiary value of silence, the abandonment of inquiry (tark al-istifsal), and the relationship between question and answer. The argument follows a thesis, evidence, counterargument, and synthesis structure. It contends that the Prophet's communicative economy was calibrated to the interlocutor's circumstances, to the legal purpose of the utterance, and to the needs of an emerging community, and that usuli rules of indication (dalala) anticipated several insights of modern pragmatics without being reducible to them. The study also addresses the objection that applying Western pragmatic categories to hadith risks anachronism, together with the historiographical objection concerning the transmission of narrative context. It concludes that a disciplined pragmatic reading enriches rather than replaces classical hermeneutics, and offers recommendations for integrating discourse analysis into the teaching and research of hadith and usul al-fiqh.

Keywords: Pragmatics; Prophetic Hadith; Usul al-Fiqh; Silence (Sukut); Discourse Analysis

تعارف

کلام محض الفاظ کے مجموعے کا نام نہیں، بلکہ ایک ایسا عمل ہے جو متکلم، مخاطب، سیاق اور مقصد کے باہمی تفاعل سے معنی کی تشکیل کرتا ہے۔ جدید لسانیات میں اس حقیقت کو تداولیات ((Pragmatics

کے عنوان سے منظم علمی حیثیت حاصل ہوئی،[1] جبکہ اسلامی علمی روایت میں مقامِ کلام، مقتضائے حال اور قرائنِ احوال کی رعایت علمِ بلاغت اور اصولِ فقہ دونوں کا بنیادی مسئلہ رہی ہے۔[2] احادیثِ نبویہ ﷺ چونکہ اپنی اصل میں مخصوص مجالس، مخصوص مخاطبین اور مخصوص حالات میں صادر ہونے والے کلامی افعال ہیں، اس لیے ان کی تفہیم محض لغوی تجزیے سے مکمل نہیں ہو سکتی؛ سوال کا اسلوب، جواب کی ساخت، سکوت کا محل اور اختصار کی حکمت، یہ سب وہ مقامات ہیں جہاں معنی الفاظ کے ظاہر سے آگے جا کر استعمال کے دائرے میں تشکیل پاتا ہے۔

زیرِ نظر مقالہ اسی مفروضے سے آغاز کرتا ہے کہ نبوی کلام کے یہ چار مظاہر، یعنی سوال، جواب، سکوت اور اختصار، محض اسلوبی خصائص نہیں بلکہ تشریعی دلالات کے حامل کلامی افعال ہیں۔ اس کا مرکزی اشکال یہ ہے کہ کیا خطابی ((Discourse-based تجزیہ اور اصولی فقہی منہج کو باہم مربوط کر کے ان چاروں مظاہر کی دلالتوں کا ایک مربوط نظری خاکہ مرتب کیا جا سکتا ہے؟ اس بنیادی سوال سے چار ذیلی سوالات پھوٹتے ہیں: اول، حضورﷺ سے کیے گئے سوالات کس نوع کی تکلمی قوت ((Illocutionary Force کے حامل تھے اور شارع نے ان کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ دوم، جواب میں سوال سے تجاوز، عدول یا اس کی اعادۂ صیاغت کیوں نظر آتی ہے؟ سوم، سکوت اور تقریر کس حد تک حجتِ شرعی بنتے ہیں؟ چہارم، جوامع الکلم کی اقتصادِ بیان سے اصولی اختلافات کیسے جنم لیتے ہیں؟

منہجِ تحقیق تحلیلی، تقابلی اور استنباطی ہے۔ مغربی تداولیات کے نظریات، بالخصوص آسٹن اور سرل کا نظریۂ افعالِ کلام، گرائس کا اصولِ تعاون اور اسپربر و ولسن کا نظریۂ مناسبت،[3] کو ہرمینیوطیقی آلات کے طور پر برتا گیا ہے، جبکہ حکم اور استدلال کا اصل معیار کلاسیکی اصولی روایت، یعنی شافعی، غزالی، آمدی اور شاطبی کے مباحثِ دلالت کو رکھا گیا ہے۔[4] مواد کی فراہمی کے لیے صحیحین اور سننِ اربعہ کی نمائندہ روایات اور ان کی شروح کو بنیاد بنایا گیا ہے۔

سابقہ علمی کاوشوں کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسعود صحراوی اور طہ عبدالرحمن نے عرب بلاغیین اور اصولیین کے ہاں تداولی شعور کی نشاندہی کی،[5] محمد ادیب صالح نے نصوص کی تفسیر کے اصولی مناہج کو منضبط کیا،[6] جبکہ حلاق، وائس اور کمالی نے اصولِ فقہ کی نظری تاریخ مرتب کی۔[7] تاہم راقم کی دسترس میں آنے والے ذخیرے میں سوال، جواب، سکوت اور اختصار کو ایک ہی تجزیاتی چوکھٹے میں رکھ کر حدیثی نصوص کا اصولی مطالعہ بہت کم ملتا ہے، اور یہی خلا اس مقالے کا جوازِ تحقیق ہے۔

---

[1] Stephen C. Levinson, *Pragmatics* (Cambridge: Cambridge University Press, 1983), chap. 1.

[2] یوسف بن ابی بکر سکاکی، مفتاح العلوم، تحقیق عبدالحمید ہنداوی (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 2000ء)، قسمِ ثالث، علم المعانی۔

[3] J. L. Austin, *How to Do Things with Words* (Oxford: Clarendon Press, 1962), Lecture VIII; John R. Searle, *Speech Acts: An Essay in the Philosophy of Language* (Cambridge: Cambridge University Press, 1969), chap. 3; H. P. Grice, "Logic and Conversation," in *Syntax and Semantics*, vol. 3, *Speech Acts*, ed. Peter Cole and Jerry L. Morgan (New York: Academic Press, 1975), 45–46; Dan Sperber and Deirdre Wilson, *Relevance: Communication and Cognition* (Oxford: Blackwell, 1986), chap. 3.

[4] محمد بن ادریس شافعی، الرسالۃ، تحقیق احمد محمد شاکر (قاہرہ: مکتبۃ الحلبی، 1940ء)، باب البیان؛ ابو حامد محمد بن محمد غزالی، المستصفیٰ من علم الاصول، تحقیق محمد عبدالسلام عبدالشافی (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1993ء)، مباحثِ دلالتِ الفاظ۔

[5] مسعود صحراوی، التداولیۃ عند العلماء العرب (بیروت: دار الطلیعۃ، 2005ء)؛ طہ عبدالرحمن، اللسان والمیزان او التکوثر العقلی (الدار البیضاء: المرکز الثقافی العربی، 1998ء)۔

[6] محمد ادیب صالح، تفسیر النصوص فی الفقہ الاسلامی (بیروت: المکتب الاسلامی، 1984ء)۔

[7] Wael B. Hallaq, *A History of Islamic Legal Theories: An Introduction to Sunni Usul al-Fiqh* (Cambridge: Cambridge University Press, 1997); Bernard G. Weiss, *The Search for God's Law: Islamic Jurisprudence in the Writings of Sayf al-Din al-Amidi* (Salt Lake City: University of Utah Press, 1992); Mohammad Hashim Kamali, *Principles of Islamic Jurisprudence*, 3rd ed. (Cambridge: Islamic Texts Society, 2003).

مقالے کی ساخت یہ ہے: باب اول میں تداولیات اور اصولِ فقہ کا نظری و اصطلاحی ڈھانچہ بیان کیا گیا ہے؛ باب دوم میں سوال، باب سوم میں جواب، باب چہارم میں سکوت اور باب پنجم میں اختصار و ایجاز کا تجزیہ ہے؛ باب ششم میں تقابلی تجزیہ، معارضات اور ان کا جواب پیش کیا گیا ہے؛ اور آخر میں نتائج و سفارشات درج ہیں۔ ہر باب میں استدلال کی ترتیب مقدمہ، شواہد، معارضہ اور ترکیبی نتیجے کے اصول پر رکھی گئی ہے۔

باب اول: تداولیات اور اصولِ فقہ کا نظری و اصطلاحی ڈھانچہ

تداولیات: مفہوم، ارتقا اور بنیادی نظریات

تداولیات لسانی علامات اور ان کے استعمال کنندگان کے مابین تعلق کا مطالعہ ہے۔ لیونسن کے نزدیک یہ علم معنی کے اس حصے کو موضوع بناتا ہے جو محض جملے کی صوری ساخت سے متعین نہیں ہوتا بلکہ سیاق کے ساتھ وابستہ رہتا ہے۔[8] جے ایل آسٹن نے اپنے معروف خطبات میں یہ واضح کیا کہ بہت سے جملے کسی واقعے کی خبر نہیں دیتے بلکہ خود ایک عمل انجام دیتے ہیں، اور ہر کلام میں تین سطحیں پائی جاتی ہیں: لفظی ادا ((Locutionary، تکلمی قوت ((Illocutionary اور تاثیری نتیجہ ((Perlocutionary۔[9] جان سرل نے اس نظریے کو منظم کر کے افعالِ کلام کی درجہ بندی پیش کی، جس میں اخباری، طلبی، التزامی، اظہاری اور اعلانی افعال شامل ہیں۔[10] سوال طلبی فعل ہے، جبکہ جواب بالعموم اخباری یا طلبی فعل کی صورت اختیار کرتا ہے، اور اسی بنا پر نبوی سوال و جواب کو افعالِ کلام کے تناظر میں دیکھنا علمی طور پر بامعنی ہے۔

پال گرائس نے اس مسئلے کو آگے بڑھاتے ہوئے ثابت کیا کہ گفتگو تعاون کے اصول پر قائم ہوتی ہے، جس کے چار اصول کمیت، کیفیت، مناسبت اور اسلوب ہیں، اور جب متکلم ان میں سے کسی اصول کی ظاہری خلاف ورزی کرتا ہے تو سامع اس سے استلزامِ خطابی ((Implicature اخذ کرتا ہے۔[11] اسپربر اور ولسن نے ان چاروں اصولوں کو ایک اعلیٰ اصول، یعنی مناسبت میں سمو دیا، جس کے مطابق ہر کلامی اشارہ اپنے سامع میں یہ توقع پیدا کرتا ہے کہ اس کے ادراکی بوجھ کے بدلے مناسب ذہنی نتیجہ حاصل ہوگا۔[12] براؤن اور لیونسن نے ادب و احترام کی حکمتِ عملیوں کو چہرے کی حفاظت (Face-saving) کے تصور سے جوڑا،[13] جبکہ براؤن اور یول نے متن کے ربط اور سیاق کو گفتمانی تجزیے ((Discourse Analysis کا مرکز قرار دیا۔[14] سکوت کے باب میں سیول ٹروئیکے نے یہ مؤقف پیش کیا کہ خاموشی لسانی ابلاغ کے نظام کا لازمی جزو ہے اور بسا اوقات الفاظ سے زیادہ بامعنی ہوتی ہے۔[15]

عربی و اسلامی علمی روایت میں تداولی شعور

اگرچہ تداولیات کی اصطلاح بیسویں صدی کی پیداوار ہے، تاہم اس کا بنیادی شعور عربی و اسلامی علوم میں قدیم ہے۔ جاحظ نے خطابت میں مقام اور مخاطب کی رعایت کو بلاغت کی شرط قرار دیا،[16] عبدالقاہر جرجانی نے اپنے نظریۂ نظم میں یہ ثابت کیا کہ معنی الفاظ کے انفرادی مدلولات سے نہیں بلکہ ان کے

---

[8] Levinson, *Pragmatics*, chap. 1.

[9] Austin, *How to Do Things with Words*, Lecture VIII.

[10] John R. Searle, *Expression and Meaning: Studies in the Theory of Speech Acts* (Cambridge: Cambridge University Press, 1979), chap. 1.

[11] Grice, "Logic and Conversation", 45–46.

[12] Sperber and Wilson, *Relevance*, chap. 3.

[13] Penelope Brown and Stephen C. Levinson, *Politeness: Some Universals in Language Usage* (Cambridge: Cambridge University Press, 1987).

[14] Gillian Brown and George Yule, *Discourse Analysis* (Cambridge: Cambridge University Press, 1983).

[15] Muriel Saville-Troike, "The Place of Silence in an Integrated Theory of Communication," in *Perspectives on Silence*, ed. Deborah Tannen and Muriel Saville-Troike (Norwood, NJ: Ablex, 1985), 3–18, 3–18; Adam Jaworski, ed., *The Power of Silence: Social and Pragmatic Perspectives* (Newbury Park, CA: Sage, 1993).

[16] عمرو بن بحر جاحظ، البیان والتبیین، تحقیق عبدالسلام محمد ہارون (قاہرہ: مکتبۃ الخانجی، 1998ء)، جلد 1۔

باہمی تعلق اور نحوی معانی کی توخی سے پیدا ہوتا ہے،[17] اور سکاکی نے مقتضائے حال اور مقامِ کلام کو علمِ معانی کا محور بنایا۔[18] صحراوی کا استدلال ہے کہ سیبویہ سے لے کر اصولیین تک عرب علما نے قصدِ متکلم، حالِ مخاطب اور قرائنِ سیاق کو اس باریکی سے برتا کہ ان کے مباحث جدید تداولی مقولات کے قریب پہنچتے ہیں،[19] اور طہ عبدالرحمن اس سے آگے بڑھ کر عربی روایتِ مناظرہ و استدلال میں ایک مستقل تداولی منطق دریافت کرتے ہیں۔[20] یہ تقابل اس امر کی ضمانت نہیں کہ دونوں نظام ایک دوسرے کے مماثل ہیں، تاہم اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ تداولی تجزیہ اسلامی روایت پر کسی اجنبی فکر کی تحمیل نہیں بلکہ اس کے داخلی رجحانات کی توسیع ہے۔

اصولِ فقہ اور تداولیات کا باہمی رشتہ

اصولِ فقہ بنیادی طور پر نصوص سے احکام کے استنباط کا علم ہے، اور اس کا بڑا حصہ دلالتِ الفاظ کے مباحث پر مشتمل ہے۔ حنفی اصولیین نے دلالتوں کو عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص میں تقسیم کیا، جبکہ جمہور متکلمین نے منطوق و مفہوم کی تقسیم اختیار کی؛ دونوں تقسیمات کا مشترک اصول یہ ہے کہ معنی لفظ کے صریح بیان تک محدود نہیں رہتا۔[21] غزالی نے واضح کیا کہ امر، نہی اور استفہام کے صیغے اپنے سیاق و قرائن کے بغیر قطعی معنی نہیں دیتے،[22] جبکہ آمدی نے ان مباحث کو انتہائی باریکی سے مدون کیا۔[23] شاطبی نے آگے بڑھ کر خطابِ شرعی کی تفہیم کو متکلم کے قصد، مخاطب کے حال اور نزولِ خطاب کے احوال کی معرفت سے مشروط کیا، اور یہ مؤقف قائم کیا کہ نصوص کی درست تفسیر مقاصدِ شریعت کے لحاظ کے بغیر ممکن نہیں۔[24] اس طرح اصولی فقہ میں سیاق، قرینہ، سبب اور مقصد وہی کردار ادا کرتے ہیں جو جدید تداولیات میں سیاق اور قصدِ متکلم کو حاصل ہے۔

درج ذیل جدول اصولی اصطلاحات اور تداولی مقولات کے بنیادی تناظر کی وضاحت کرتا ہے۔

تداولی مقولہ	اصولی مماثل تصور	نمایاں مثال
تکلمی قوت ((Illocutionary Force	دلالتِ صیغہ بمع قرینہ (امر کا وجوب، ندب یا اباحت)	صیغۂ امر کی دلالت پر غزالی و آمدی کے مباحث
استلزامِ خطابی ((Implicature	اشارۃ النص، دلالۃ النص، مفہومِ مخالفہ و موافقہ	نص کا غیر مذکور حکم پر دلالت کرنا
سیاق و مقام ((Context	اسبابِ ورود و نزول، قرائنِ احوال	سائل کے احوال کے لحاظ سے جواب کا تنوع
مناسبت و تعاون ((Relevance	قصدِ متکلم، مناسبتِ کلام، مقاصدِ شریعت	شاطبی کا تصورِ قصدِ شارع
خاموشی بطور ابلاغ ((Silence	سکوت، تقریر اور سکوتِ شارع عن الحکم	سکوتِ نبوی سے استدلال
ادب و چہرے کی حفاظت ((Face-saving	ادبِ مخاطبہ، ستر، رفق اور تعریض	«ما بال اقوام» کا اسلوب

[17] عبدالقاہر جرجانی، دلائل الاعجاز، تحقیق محمود محمد شاکر (قاہرہ: مکتبۃ الخانجی، 1992ء)، فصلِ نظم۔

[18] سکاکی، مفتاح العلوم، قسمِ ثالث، علم المعانی۔

[19] صحراوی، التداولیۃ۔

[20] طہ عبدالرحمن، اللسان والمیزان۔

[21] محمد ابو زہرہ، اصول الفقہ (قاہرہ: دار الفکر العربی، 1958ء)، مباحثِ دلالات؛ عبدالوہاب خلاف، علم اصول الفقہ، طبع دوازدہم (کویت: دار القلم، 1978ء)، باب الالفاظ۔

[22] غزالی، المستصفیٰ، مباحثِ امر و نہی۔

[23] علی بن محمد آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، تحقیق عبدالرزاق عفیفی (بیروت: المکتب الاسلامی، س ن)، مباحثِ الفاظ؛ Weiss, *Search for God's Law*۔

[24] ابراہیم بن موسیٰ شاطبی، الموافقات فی اصول الشریعۃ، تحقیق مشہور بن حسن آل سلمان (الخبر: دار ابن عفان، 1997ء)، مباحثِ مقاصد و دلالتِ خطاب؛ احمد الریسونی، نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی (ہرنڈن: المعہد العالمی للفکر الاسلامی، 1992ء)۔

جدول 1: تداولی مقولات اور اصولی فقہی تصورات کا تقابلی خاکہ (مصنف کی اپنی تدوین)

مذکورہ جدول سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اصولی روایت نے اگرچہ ان تصورات کو ایک مربوط تداولی نظام کے طور پر مدون نہیں کیا، تاہم عملاً ہر مقولے کے لیے مخصوص آلات وضع کیے۔ اسی بنا پر مقالے کا منہج ان دونوں سطحوں کو باہم مقابل رکھتا ہے، نہ کہ ایک کو دوسرے میں تحلیل کرتا ہے۔[25]

باب دوم: سوال کی تداولی دلالتیں

سوال بطور طلبی فعل اور اس کی اقسام

سوال بظاہر معلومات کی طلب کا فعل ہے، مگر تداولی تجزیہ اس سادہ تعریف پر قناعت نہیں کرتا، کیونکہ استفہام کی صورت میں متعدد تکلمی قوتیں یکجا ہو سکتی ہیں: حقیقی طلبِ علم، تعلیمی تنبیہ، اظہارِ تعجب، تعنّت اور امتحان۔ نبوی روایات میں یہ تنوع نہایت نمایاں ہے۔ حدیثِ جبریلؑ میں سائل کو سوال کا جواب پہلے سے معلوم تھا، مگر اس کا مقصد حقیقی طلبِ علم نہیں بلکہ صحابہؓ کی تعلیم تھا، چنانچہ سوال کی تکمیل پر حضورﷺ نے فرمایا کہ یہ جبریل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔[26] اسی طرح خود حضورﷺ کا صحابہؓ سے سوال کرنا، مثلاً «کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟»، ایک تعلیمی حکمتِ عملی تھی جس میں سوال سامع کے ذہنی انہماک کو بیدار کرتا اور بعد میں آنے والے جواب کی مناسبت ((Relevance کو بڑھا دیتا ہے۔[27]

اسی تنوع کے پیشِ نظر سوال کی تین بنیادی انواع متمیز کی جا سکتی ہیں: استفہامِ استرشادی جس کا مقصد حقیقی علم کا حصول ہے، استفہامِ تعلیمی جس میں مقصد سامعین کو متنبہ یا مستفید کرنا ہوتا ہے، اور استفہامِ تعنّتی یا تکلّفی جس میں سائل علم کے بجائے تشدید، تحدی یا غیر ضروری تفصیل کا طالب ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے حضورﷺ نے فرمایا کہ مجھے گمان تھا کہ حدیث پر تمہاری حرص کے سبب اس بارے میں تم سے پہلے کوئی سوال نہ کرے گا؛ اس میں حرصِ علم پر مبنی سوال کی صریح تحسین موجود ہے۔[28]

نوع سوال	تکلمی قوت و مقصد	اصولی حکم اور شواہد
استفہامِ استرشادی	حقیقی طلبِ علم اور رفعِ جہالت	مامور بہ؛ «فاسالوا اہل الذکر» اور حدیثِ ابوہریرہؓ
استفہامِ تعلیمی	سامع کی توجہ کو منظم کر کے تعلیم دینا	حدیثِ جبریلؑ اور «اتدرون من المفلس»
استفہامِ تکلفی/تعنتی	تشدید، اظہارِ تحدی یا غیر ضروری تفصیل کی طلب	منہی عنہ؛ «ذروني ما ترکتکم» اور قصۂ بقرہ
استفہامِ تقریری	سامع سے اقرار کروانا اور استدلال کی بنیاد فراہم کرنا	«ارایت لو کان علی امک دین» کا اسلوب

جدول 2: سوال کی تداولی انواع اور ان کے اصولی احکام (مصنف کی اپنی تدوین)

[25] Hallaq, *History of Islamic Legal Theories*, Introduction; Kamali, *Principles of Islamic Jurisprudence*.

[26] مسلم بن الحجاج نیشاپوری، صحیح مسلم، تحقیق محمد فؤاد عبدالباقی (بیروت: دار احیاء التراث العربی، س ن)، کتاب الایمان، باب بیان الایمان والاسلام والاحسان، حدیث 8؛ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح البخاری، تحقیق محمد زہیر بن ناصر الناصر (بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ)، کتاب الایمان، باب سؤال جبریل النبی ﷺ، حدیث 50۔

[27] مسلم، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، حدیث 2581؛ Sperber and Wilson, *Relevance*, chap. 3۔

[28] بخاری، صحیح البخاری، کتاب العلم، باب الحرص علی الحدیث، حدیث 99؛ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، تحقیق محب الدین الخطیب (بیروت: دار المعرفۃ، 1379ھ)، شرحِ حدیث 99۔

ممنوع و مذموم سوال: تکلمی قوت اور تاثیری نتیجہ

قرآن کریم نے ایک خاص طرز کے سوالات سے روکا ہے، ارشاد ہے: ﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ**﴾ (اے ایمان والو! ایسی باتوں کے بارے میں سوال نہ کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار گزریں)۔[29] صحیح بخاری کی روایت کے مطابق جب صحابہؓ نے حضورﷺ سے بکثرت سوالات کیے یہاں تک کہ آپﷺ کو گراں گزرا، تو آپﷺ نے منبر پر فرمایا کہ جو چاہو پوچھ لو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[30] آیت کا تداولی تجزیہ یہ ہے کہ ممانعت سوال کے اصل فعل پر نہیں بلکہ اس کے تاثیری نتیجے ((Perlocutionary Effect پر ہے، یعنی ایسا سوال جو شارع کو تشریعی بیان پر مجبور کر کے امت کے لیے تنگی پیدا کر دے۔

اس مفہوم کو احادیث نے مزید واضح کیا۔ حضورﷺ نے فرمایا: «جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں تم مجھے چھوڑے رکھو، کیونکہ تم سے پہلے لوگ اپنے سوالات کی کثرت اور اپنے انبیاء سے اختلاف کے سبب ہلاک ہوئے»۔[31] نیز فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی غیر حرام شے کے بارے میں سوال کیا اور اس کے سوال کے سبب وہ حرام کر دی گئی۔[32] قرآن میں اس کی تاریخی مثال بنی اسرائیل کا قصۂ بقرہ ہے جہاں سائلین نے گائے کی نوعیت، عمر اور رنگ کے متعلق مسلسل سوال کیا، اور ہر نئی تفصیل نے حکم کو ان پر سخت تر کر دیا۔[33] ابن حجر نے «کثرتِ سوال» کے مفہوم میں یہ اقوال نقل کیے ہیں کہ اس سے مراد غیر ضروری مسائل، فرضی صورتیں یا تعنّت کے سوالات ہیں،[34] اور یہ تمام تعبیرات اسی اصل پر منتج ہوتی ہیں کہ مذمت کا مدار سوال کے مقصد اور اس کے نتیجے پر ہے۔

سوال کی ترغیب اور اس کی حدود

ممانعتِ سوال کی ان نصوص کے مقابل قرآن و سنت میں سوال کی صریح ترغیب بھی موجود ہے: ﴿**فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ**﴾ (پس اہلِ علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے)۔[35] جس صحابی کو سر کے زخم کے باوجود غسل کا فتویٰ دیا گیا اور وہ جاں بحق ہو گیا، اس پر حضورﷺ نے فرمایا: «جب انہیں معلوم نہ تھا تو انہوں نے پوچھ کیوں نہ لیا؟ بے شک جہالت کی شفا سوال ہے»۔[36] یہاں سوال نہ کرنا گویا ایک کلامی ترک ہے جس پر شدید زجر آیا، جو واضح کرتا ہے کہ طلبِ علم کا سوال واجب اور تعنت کا سوال مذموم ہے۔

بظاہر متعارض ان نصوص کی ترکیب شاطبی کے اصولِ مقاصد سے ممکن ہے، جس کے مطابق ہر خطاب کی درست تفہیم اس کے مقصد کی معرفت پر موقوف ہے؛ چنانچہ سوال کی ترغیب مصلحتِ

---

[29] القرآن الکریم، سورۃ المائدہ 5:101؛ دیکھیے: محمد بن جریر طبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، تحقیق عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی (قاہرہ: دار ہجر، 2001ء)، تفسیرِ آیت 5:101؛ اسماعیل بن عمر ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق سامی بن محمد سلامہ (ریاض: دار طیبہ، 1999ء)، تفسیرِ آیت 5:101۔

[30] بخاری، صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ المائدہ، حدیث 4621؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب توقیرہ ﷺ وترک اکثار سؤالہ، حدیث 2359۔

[31] بخاری، صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، حدیث 7288؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرۃ فی العمر، حدیث 1337۔

[32] بخاری، صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، حدیث 7289؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، حدیث 2358۔

[33] القرآن الکریم، سورۃ البقرہ 2:67–71؛ دیکھیے: ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، تفسیرِ آیات 2:67–71۔

[34] ابن حجر، فتح الباری، کتاب الاعتصام، باب ما یکرہ من کثرۃ السؤال وتکلف ما لا یعنیہ۔

[35] القرآن الکریم، سورۃ النحل 16:43؛ دیکھیے: طبری، جامع البیان، تفسیرِ آیت 16:43؛ فخر الدین رازی، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)، طبع سوم (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1420ھ)، تفسیرِ آیت 16:43۔

[36] ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابی داؤد، تحقیق شعیب الارنؤوط و محمد کامل قرہ بللی (بیروت: دار الرسالۃ العالمیۃ، 2009ء)، کتاب الطہارۃ، باب فی المجروح یتیمم، حدیث 336۔

علم کے لیے اور سوال کی ممانعت مفسدۂ تشدید کے سدِ باب کے لیے ہے۔[37] اس مقام پر ایک معارضہ یہ اٹھایا جا سکتا ہے کہ اگر ہر فرضی سوال مذموم ہے تو فقہِ تقدیری کی پوری عمارت کیونکر قائم ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ممانعت اس دور سے متعلق تھی جب وحی کے نزول کا سلسلہ جاری تھا اور سوال کے نتیجے میں تشریعی حکم نازل ہو سکتا تھا؛ وحی کے انقطاع کے بعد یہ علتِ منع باقی نہ رہی، اور فرضی صورتوں کا استنباط فقہا کی اجتہادی ذمہ داری بن گیا۔[38] اس طرح ترکیبی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سوال کی شرعی حیثیت اس کی تکلمی قوت، سائل کے مقصد اور تشریعی سیاق کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔

باب سوم: جواب کی تداولی حکمتیں

جوابی عدول اور اسلوبِ حکیم

بلاغتِ عربی میں اسلوبِ حکیم سے مراد یہ ہے کہ مخاطب کو اس کے سوال کے بجائے ایسا جواب دیا جائے جو اس کے حال کے لیے زیادہ مناسب اور نافع ہو۔ سکاکی نے اس اسلوب کو کلام کے مقتضائے حال کی رعایت کی نمایاں صورت کے طور پر ذکر کیا ہے۔[39] قرآن کریم میں اس کی بہترین مثال یہ ہے: ﴿**يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ**﴾ (لوگ آپ سے نئے چاندوں کے بارے میں پوچھتے ہیں؛ کہہ دیجیے کہ یہ لوگوں اور حج کے لیے اوقات کے پیمانے ہیں)۔[40] سوال چاند کے گھٹنے بڑھنے کی کیفیت کے بارے میں تھا، مگر جواب اس کی تشریعی و معاشرتی افادیت کی طرف موڑ دیا گیا، کیونکہ قرآن کا مقصد فلکیاتی تفصیل نہیں بلکہ ہدایت ہے۔ اسی طرح انفاق کے مقدار سے متعلق سوال کا جواب مصارف کے بیان کی صورت میں آیا: ﴿**قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ**﴾ (کہہ دیجیے کہ جو بھی خیر خرچ کرو وہ والدین، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافر کے لیے ہو)۔[41] گرائس کے الفاظ میں یہ مناسبت کے اصول کی وہ استلزامی صورت ہے جس میں سامع جواب کے عدول سے مقصودِ متکلم تک رسائی پاتا ہے۔[42]

احادیث میں یہی طریقہ اس سے بھی زیادہ واضح ہے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ محرم کون سا لباس پہنے؟ حضورﷺ نے جواب میں پہننے کے بجائے ان چیزوں کی فہرست بیان فرمائی جو وہ نہیں پہن سکتا، یعنی قمیص، پگڑی، پاجامہ اور ٹوپی۔ امام بخاری نے اس حدیث پر باب باندھا کہ جس نے سائل کو اس کے سوال سے زیادہ جواب دیا۔[43] تداولی اعتبار سے ممنوعات کی فہرست مباحات کی غیر محدود فہرست کے مقابلے میں کہیں مختصر ہے، لہٰذا جواب نے کمیت کے اصول کا لحاظ بھی رکھا اور سائل کی ضرورت سے زائد معلومات بھی عطا کر دیں۔ اسی طرح سمندر کے پانی کے متعلق سوال پر آپﷺ نے طہارت کے ساتھ مردار کی حلت کا اضافہ فرمایا: «اس کا پانی پاک کرنے والا اور اس کا مردار حلال ہے»۔[44] اور تازہ و خشک کھجور کی بیع کے مسئلے میں آپﷺ نے سوال کا جواب سوال سے دیا: «کیا تر کھجور خشک ہو کر کم نہیں ہو جاتی؟»، پھر صحابہؓ کے اثبات پر بیع کی ممانعت فرمائی۔[45] یہاں

---

[37] شاطبی، الموافقات، مباحثِ مقاصد؛ محمد بن ابی بکر ابن قیم جوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، تحقیق مشہور بن حسن آل سلمان (دمام: دار ابن الجوزی، 1423ھ)، فصولِ آدابِ الفتویٰ۔

[38] ابن حجر، فتح الباری، کتاب الاعتصام، باب ما یکرہ من کثرۃ السؤال؛ Kamali, *Principles of Islamic Jurisprudence*۔

[39] سکاکی، مفتاح العلوم، قسمِ ثالث، علم المعانی۔

[40] القرآن الکریم، سورۃ البقرہ 2:189؛ دیکھیے: محمود بن عمر زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، طبع سوم (بیروت: دار الکتاب العربی، 1407ھ)، تفسیرِ آیت 2:189؛ رازی، مفاتیح الغیب، تفسیرِ آیت 2:189۔

[41] القرآن الکریم، سورۃ البقرہ 2:215؛ دیکھیے: طبری، جامع البیان، تفسیرِ آیت 2:215؛ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، تفسیرِ آیت 2:215۔

[42] Grice, "Logic and Conversation", 45–46.

[43] بخاری، صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من اجاب السائل باکثر مما سالہ، حدیث 134؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما یباح للمحرم، حدیث 1177۔

[44] ابو داؤد، سنن، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء بماء البحر، حدیث 83۔

[45] ابو داؤد، سنن، کتاب البیوع، باب فی التمر بالتمر، حدیث 3359۔

سوال کے ذریعے علتِ حکم کو سائل ہی سے ثابت کرایا گیا، جو استدلالی تدریس کی نہایت مؤثر صورت ہے۔

جواب بسوال اور تمثیل

بعض مواقع پر جواب بجائے خود ایک قیاسی تمثیل کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ میری بیوی نے سیاہ فام بچہ جنا ہے، تو آپﷺ نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے اثبات میں جواب دیا، پھر پوچھا کہ ان کے رنگ کیا ہیں؟ اس نے کہا سرخ۔ پوچھا کہ کیا ان میں خاکستری رنگ کا اونٹ ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا کہ پھر یہ کہاں سے آیا؟ عرض کیا شاید کسی رگ نے کھینچ لیا ہو۔ فرمایا کہ شاید تمہارے اس بیٹے کو بھی کسی رگ نے کھینچ لیا ہو۔[46] اس جواب میں حضورﷺ نے براہِ راست حکم صادر کرنے کے بجائے سائل کے اپنے تجربے سے مشترک مقدمہ تیار کیا، جس سے نہ صرف اس کے شبہ کا ازالہ ہوا بلکہ اس کی عزتِ نفس بھی محفوظ رہی، اور براؤن و لیونسن کی اصطلاح میں یہ چہرے کی حفاظت کی بلند ترین حکمتِ عملیوں میں سے ہے۔[47] اسی طرح اس خاتون کو جس نے اپنی والدہ کی طرف سے حج کا پوچھا، آپﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم ادا کرتیں؟ پھر اللہ کا قرض ادا کیے جانے کا زیادہ حق دار قرار دیا۔[48] اصولیین نے اس قسم کی نصوص کو قیاس کی نبوی تعلیم کے شواہد میں شمار کیا ہے، جن میں علتِ مشترک کو تنبیہ کے طور پر سامنے لایا گیا۔[49]

جوابات کا تنوع اور رعایتِ مخاطب

ایک ہی سوال کے مختلف مخاطبین کو مختلف جوابات دیا جانا تداولیاتِ نبوی کی اہم ترین خصوصیت ہے۔ «کون سا عمل افضل ہے؟» کے جواب میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ایمان، جہاد اور حجِ مبرور کا ذکر ہے،[50] جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں وقت پر نماز، والدین سے حسنِ سلوک اور جہاد کا بیان ہے،[51] اور کسی اور مخاطب کو «کھانا کھلانا اور شناسا و ناشناسا کو سلام کرنا» بتایا گیا۔[52] ایک شخص کے بار بار وصیت چاہنے پر آپﷺ نے ہر بار صرف یہی فرمایا کہ غصہ نہ کرو۔[53] ابن حجر نے ان اختلافات کی توجیہ میں فرمایا کہ جوابات کا اختلاف سائلین کے احوال اور وقت کی ضرورت کے اختلاف پر مبنی ہے،[54] اور شاہ ولی اللہ نے اسی بنیاد پر آثارِ صحابہ و فقہا کے اختلافات کو احوالِ مخاطبین کا تنوع قرار دیا۔[55]

سوال یا طلب	نبوی جواب	تداولی عامل
افضل عمل کیا ہے؟ (ابوہریرہؓ)	ایمان، جہاد، حجِ مبرور	مخاطب کی استعداد اور وقت کی ضرورت
افضل عمل کیا ہے؟ (ابن مسعودؓ)	نماز بروقت، حسنِ سلوکِ والدین، جہاد	سائل کے حال اور معاشرتی ذمہ داری کی رعایت

[46] بخاری، صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب اذا عرض بنفی الولد، حدیث 5305؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب اللعان، حدیث 1500۔

[47] Brown and Levinson, *Politeness*.

[48] بخاری، صحیح البخاری، کتاب جزاء الصید، باب الحج عمن لا یستطیع الثبوت علی الراحلۃ، حدیث 1852۔

[49] غزالی، المستصفیٰ، کتاب القیاس؛ آمدی، الاحکام، مباحثِ قیاس۔

[50] بخاری، صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب من قال ان الایمان ھو العمل، حدیث 26۔

[51] بخاری، صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب فضل الصلاۃ لوقتھا، حدیث 527؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث 85۔

[52] بخاری، صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب اطعام الطعام من الاسلام، حدیث 12۔

[53] بخاری، صحیح البخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب، حدیث 6116۔

[54] ابن حجر، فتح الباری، کتاب الایمان، باب ای الاسلام افضل۔

[55] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، تحقیق السید سابق (بیروت: دار الجیل، 2005ء)، مبحثِ اسبابِ اختلاف۔

سوال یا طلب	نبوی جواب	تداولی عامل
کون سا اسلام بہتر ہے؟	کھانا کھلانا اور سلام عام کرنا	معاشرتی ربط کی ترغیب
مجھے وصیت کیجیے	لا تغضب (غصہ نہ کرو)	سائل کی نفسیاتی کمزوری کی تشخیص

جدول 3: ایک سوال کے مختلف نبوی جوابات اور ان کے تداولی عوامل (مصنف کی اپنی تدوین)

جواب کی تشریعی قوت اور سکوت کا اشتراک

جواب جب شارع کی طرف سے ہو تو وہ محض معلومات نہیں رہتا بلکہ تشریع کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ایک بدوی نے پوچھا کہ کیا مجھ پر ان پانچ نمازوں کے علاوہ بھی کچھ فرض ہے؟ فرمایا: نہیں، مگر یہ کہ تم نفل پڑھو۔ زکوٰۃ اور روزے پر بھی یہی سوال و جواب ہوا، اور آخر میں اس نے کہا کہ میں نہ اس میں اضافہ کروں گا نہ کمی، تو آپﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ سچ کہتا ہے تو کامیاب ہوا۔[56] یہاں «لا» فرائض کی حد بندی کا مفہوم رکھتا ہے، جسے اصولیین حصر کے قرائن میں شمار کرتے ہیں، تاہم جمہور کے نزدیک اس سے مراد اس دور کے فرائضِ مخصوصہ کی حد ہے نہ کہ آئندہ تشریعات کی نفی۔[57] اس کے برعکس جب ایک صحابی نے پوچھا کہ کیا حج ہر سال فرض ہے تو آپﷺ خاموش رہے، یہاں تک کہ تیسری بار فرمایا: «اگر میں ہاں کہہ دیتا تو واجب ہو جاتا اور تم طاقت نہ رکھتے»۔[58] یہ حدیث جواب کی تشریعی قوت اور سکوت کی تداولی اہمیت کو بیک وقت ظاہر کرتی ہے، کیونکہ یہاں سکوت اور مشروط جملہ دونوں نے یہ واضح کیا کہ شارع کا ایک لفظ بھی حکم بن سکتا ہے، اور اسی لیے آپﷺ نے سوال کا جواب دینے میں تأمل فرمایا۔

باب چہارم: سکوتِ نبوی کی دلالتیں

سکوت کی تداولی اقسام

تداولیات میں سکوت کو محض کلام کی عدم موجودگی نہیں بلکہ ایک بامعنی ابلاغی عمل سمجھا جاتا ہے، جس کا مفہوم سیاق، متکلم کے اختیار اور مخاطب کی توقع سے متعین ہوتا ہے۔[59] نبوی احادیث میں سکوت کی کم از کم پانچ نمایاں صورتیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ پہلی صورت تقریر ہے، یعنی صحابی کے قول یا فعل کو دیکھ کر انکار نہ فرمانا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے سخت سردی میں جنابت کے باوجود غسل کے بجائے تیمم کر کے نماز پڑھائی، اور جب حضورﷺ کو بتایا گیا تو آپﷺ ہنس پڑے اور کچھ نہ فرمایا۔[60] اسی طرح ایک صحابی نے فجر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور وجہ بتائی تو آپﷺ خاموش رہے۔[61]

دوسری صورت سکوتِ رضا و اذن ہے جہاں خاموشی بجائے خود ایک قانونی فعلِ کلام بن جاتی ہے۔ حضورﷺ نے فرمایا کہ کنواری سے اجازت لی جائے، صحابہؓ نے پوچھا کہ اس کی اجازت کیسے ہو؟ فرمایا: اس کی خاموشی۔[62] تیسری صورت سکوتِ تادیب و اعراض ہے، جیسے حضرت کعب بن مالکؓ کے واقعے میں جب انہوں نے سلام عرض کیا تو آپﷺ نے جواب نہ دیا، اور صحابہؓ کو ان سے

---

[56]بخاری، صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب الزکاۃ من الاسلام، حدیث 46؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الصلوات التی ھی احد ارکان الاسلام، حدیث 11۔

[57]غزالی، المستصفیٰ، مباحثِ مفہوم؛ بدر الدین محمد بن بہادر زرکشی، البحر المحیط فی اصول الفقہ (بیروت: دار الکتبی، 1994ء)، مباحثِ مفہومِ حصر۔

[58]مسلم، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرۃ فی العمر، حدیث 1337۔

[59] Saville-Troike, “Place of Silence,” 3–18, 3–18; Jaworski, *Power of Silence*.

[60]ابو داؤد، سنن، کتاب الطہارۃ، باب اذا خاف الجنب البرد، حدیث 334۔

[61]ابو داؤد، سنن، کتاب التطوع، باب من فاتتہ متی یقضیھا، حدیث 1267۔

[62]بخاری، صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لا ینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاھا، حدیث 5136؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب النکاح، حدیث 1419۔

کلام کرنے سے روک دیا گیا؛ یہ خاموشی تعزیر کی ایک اخلاقی صورت تھی۔[63] چوتھی صورت سکوتِ انتظارِ وحی ہے، جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں روح کے متعلق سوال پر آپﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ وحی نازل ہوئی: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (وہ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں؛ کہہ دیجیے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں علم کم ہی دیا گیا ہے)۔[64] پانچویں صورت سکوتِ شارع عن الحکم ہے، جو سب سے زیادہ اصولی اہمیت کی حامل ہے۔

صورتِ سکوت	تداولی مفہوم	نمایاں شاہد
سکوتِ تقریری	عدمِ انکار سے جوازِ عمل کی دلالت	عمرو بن العاصؓ کا تیمم
سکوتِ رضا و اذن	خاموشی بطور رضامندی کا قانونی فعل	«اذنها صماتها»
سکوتِ تادیب و اعراض	تعزیر و اظہارِ ناراضی بذریعہ خاموشی	قصۂ کعب بن مالکؓ
سکوتِ انتظارِ وحی	متکلم کی بجائے وحی کو مرجع بنانا	سوالِ روح
سکوتِ شارع عن الحکم	دائرۂ عفو یا اجتہاد کی گنجائش	حدیثِ ابی ثعلبہ الخشنیؓ

جدول 4: سکوتِ نبوی کی تداولی اقسام اور ان کی دلالتیں (مصنف کی اپنی تدوین)

تقریر کی حجیت اور اس کے شرائط

جمہور اصولیین کے نزدیک تقریرِ نبوی سنت کی تین اقسام، یعنی قول، فعل اور تقریر، میں سے ایک ہے اور حجتِ شرعی ہے، بشرطیکہ چند شرائط پوری ہوں: حضورﷺ کو اس فعل کا علم ہو، آپﷺ کو انکار کی قدرت ہو، اور سکوت کے لیے کوئی مانع، مثلاً خوف یا مصلحتِ تاخیر موجود نہ ہو۔[65] فقہی ضابطہ «لا ینسب الی ساکت قول» اگرچہ عام مخاطبین کے سکوت پر لاگو ہوتا ہے، تاہم «السکوت فی معرض الحاجۃ بیان» کا استثنا واضح کرتا ہے کہ جہاں بولنا لازم ہو وہاں سکوت خود بیان بن جاتا ہے۔[66] شارع کے معاملے میں یہ استثنا اور بھی قوی ہو جاتا ہے، کیونکہ منصبِ نبوت میں منکر پر سکوت جائز نہیں۔ اس کے باوجود ایک معارضہ یہ ہے کہ تقریر سے جواز کے علاوہ کوئی زیادہ حکم ثابت نہیں ہوتا۔ حضرت خالدؓ نے حضورﷺ کی موجودگی میں گوہ کھائی جبکہ آپﷺ نے نہ کھائی اور فرمایا کہ یہ میری قوم کی غذا نہیں، اس لیے مجھے ناپسند ہے؛ یہاں آپﷺ کے عدمِ اکل کو حرمت پر محمول نہیں کیا گیا۔[67] اس سے واضح ہوتا ہے کہ سکوت اور ترک کی دلالت قرائن کے بغیر قطعی نہیں رہتی، اور شافعی کا یہ معروف اصول کہ احوال کی حکایت میں استفصال کا ترک، احتمال کے قیام کی صورت میں، عموم کے قائم مقام ہوتا ہے،[68] اسی بنا پر احتیاط سے برتا جانا چاہیے۔

سکوتِ شارع عن الحکم: عفو یا بدعت؟

حضرت ابو ثعلبہ الخشنیؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرائض مقرر کیے تو انہیں ضائع نہ کرو، حدود قائم کیں تو ان سے تجاوز نہ کرو، اور بعض چیزوں سے رحمتاً بغیر بھول کے خاموشی اختیار کی

---

[63] بخاری، صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک، حدیث 4418؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، حدیث 2769۔

[64] القرآن الکریم، سورۃ الاسراء 17:85؛ دیکھیے: بخاری، صحیح البخاری، کتاب العلم، باب قول اللہ تعالیٰ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا، حدیث 125؛ طبری، جامع البیان، تفسیر آیت 17:85۔

[65] غزالی، المستصفیٰ، مباحثِ سنت و تقریر؛ آمدی، الاحکام، مباحثِ اقسامِ سنت؛ خلاف، علم اصول الفقہ، باب السنۃ۔

[66] مجلۃ الاحکام العدلیۃ (کراچی: نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب، س ن)، دفعہ 67۔

[67] بخاری، صحیح البخاری، کتاب الاطعمۃ، باب الشواء، حدیث 5391؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، حدیث 1946۔

[68] شہاب الدین احمد بن ادریس قرافی، شرح تنقیح الفصول فی اختصار المحصول فی الاصول، تحقیق طہ عبدالرؤوف سعد (قاہرہ: شرکۃ الطباعۃ الفنیۃ المتحدۃ، 1973ء)، باب العموم؛ زرکشی، البحر المحیط، مباحثِ ترکِ استفصال۔

تو ان کی کھوج نہ کرو۔[69] یہ حدیث سکوتِ شارع کو دائرۂ عفو میں شمار کرتی ہے اور مذکورہ آیت ﴿**لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ**﴾ کے ساتھ مل کر یہ اصول قائم کرتی ہے کہ جس معاملے میں شارع نے سکوت فرمایا اس میں شدت اور تکلف مطلوب نہیں۔ شاطبی نے اس باب میں نہایت قیمتی تفریق کی ہے: اگر شارع کے سکوت کے وقت حکم کا مقتضی موجود ہو اور مانع نہ ہو تو اس سکوت کے بعد اضافہ بدعت ہے، کیونکہ شارع کا ترک خود حد بندی ہے؛ اور اگر مقتضی بعد میں پیدا ہوا ہو تو وہ مصالحِ مرسلہ اور اجتہاد کا میدان ہے۔[70] یہ تفریق دراصل تداولی تجزیے کی اس بنیادی بصیرت کا اصولی نام ہے کہ سکوت کا مفہوم اس سیاق سے پیدا ہوتا ہے جس میں بولنا ممکن اور متوقع ہو۔ اس معارضے کا جواب بھی یہیں سے ملتا ہے کہ اگر ہر سکوت کو منع سمجھا جائے تو شریعت کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے، اور اگر ہر سکوت کو اباحت سمجھا جائے تو عبادات میں اضافے کا دروازہ کھل جاتا ہے؛ چنانچہ ترکیب یہی ہے کہ اس کا فیصلہ مقتضی اور مانع کی موجودگی سے ہو۔[71]

باب پنجم: اختصار و ایجاز اور جوامع الکلم

جوامع الکلم کا تداولی مفہوم

حضورﷺ نے اپنی خصوصیات میں فرمایا کہ مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے، یعنی ایسا جامع کلام جس کے الفاظ قلیل اور معانی کثیر ہوں۔[72] ام المؤمنین عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضورﷺ جلدی جلدی سلسلہ وار گفتگو نہیں کرتے تھے بلکہ آپ کی بات اتنی صاف ہوتی کہ سننے والا اسے گن سکتا تھا،[73] اور اہم بات کو تین مرتبہ دہراتے تاکہ سمجھ لی جائے۔[74] خطبے کے بارے میں آپﷺ نے فرمایا کہ آدمی کی نماز کا طویل اور خطبے کا مختصر ہونا اس کے فقیہ ہونے کی علامت ہے۔[75] ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبوی اختصار نہ تو الفاظ کی قلت ہے اور نہ معنی کی تنگی، بلکہ ایجاز اور وضاحت کا ایسا توازن ہے جو گرائس کے اصولِ کمیت اور اسلوب دونوں کی تکمیل کرتا ہے۔[76] جرجانی اور سکاکی کے ہاں ایجاز کی بلاغت یہی ہے کہ کم لفظوں میں وہ معنی ادا ہو جو سامع کے ذہن میں پورا خاکہ بنا دے،[77] اور اسپربر و ولسن کے نظریے میں یہی کم سے کم ادراکی کوشش کے بدلے زیادہ سے زیادہ ذہنی نتیجہ ہے۔[78]

اختصار اور اصولی استنباط

اختصار کا فقہی نتیجہ یہ ہے کہ مختصر نصوص بے شمار فروعی احکام کا مرجع بن جاتی ہیں۔ «اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے» اور «نہ نقصان اٹھانا ہے نہ نقصان پہنچانا» اور «نفع ضمان کے بدلے ہے» جیسے جملے فقہی قواعد کی بنیاد بنے۔[79] مگر یہی اختصار اصولی اختلافات کا سبب بھی ہے۔ «انما الاعمال بالنیات» میں محذوف مقدر کیا ہے؟ حنفی اصولیین نے اسے اقتضاء النص کے ذیل میں رکھ کر

---

[69] یحییٰ بن شرف نووی، الاربعون النوویۃ، تحقیق قصی محمد نورس الحلاق (جدہ: دار المنہاج، 1430ھ)، حدیث 30۔

[70] ابراہیم بن موسیٰ شاطبی، الاعتصام، تحقیق مشہور بن حسن آل سلمان (الخبر: دار ابن عفان، 1992ء)، باب فی حدِّ البدعۃ؛ شاطبی، الموافقات، مباحثِ مقاصد۔

[71] ریسونی، نظریۃ المقاصد۔

[72] بخاری، صحیح البخاری، کتاب التعبیر، باب المفاتیح فی الید، حدیث 7013؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب المساجد، حدیث 523۔

[73] بخاری، صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ، حدیث 3567۔

[74] بخاری، صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من اعاد الحدیث ثلاثا لیفہم عنہ، حدیث 95۔

[75] مسلم، صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ، حدیث 869۔

[76] Grice, "Logic and Conversation", 45–46.

[77] جرجانی، دلائل الاعجاز، فصلِ ایجاز؛ سکاکی، مفتاح العلوم، قسمِ ثالث۔

[78] Sperber and Wilson, *Relevance*, chap. 3.

[79] بخاری، صحیح البخاری، بدء الوحی، حدیث 1؛ محمد بن یزید ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، تحقیق محمد فؤاد عبدالباقی (قاہرہ: دار احیاء الکتب العربیۃ، س ن)، کتاب الاحکام، باب من بنی فی حقہ ما یضر بجارہ، حدیث 2340؛ ابو داؤد، سنن، کتاب الاجارۃ، باب فیمن اشتری عبدا فاستعملہ، حدیث 3508۔

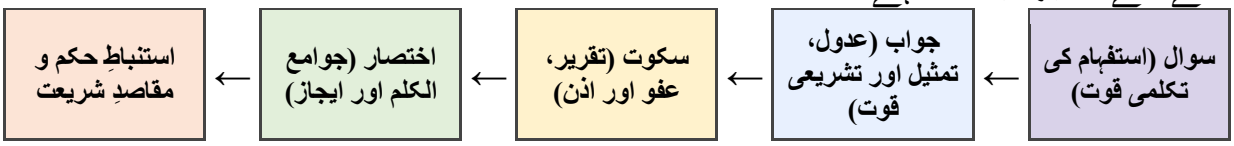
ثواب کا مقدر مانا، جبکہ بعض شوافع نے صحت کا،[80] اور یہ اختلاف دراصل متکلم کے مقصد کی تعیین کا اختلاف ہے۔ نووی نے مسلم کی شرح میں اسی تنوع کو شارع کی بلاغت کا نتیجہ قرار دیا ہے کہ کلام قلیل میں معانی کثیر سمو دیے گئے۔[81] اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اختصار سیاق کی معرفت کو لازم کر دیتا ہے، اور اسی لیے اسبابِ ورود کا علم نصوص کی تفہیم کا حصہ ہے۔[82]

اختصار کا ایک اور پہلو روایت بالمعنی کے مسئلے سے وابستہ ہے۔ چونکہ اختصار سیاقی تفصیل کو محذوف کر دیتا ہے اس لیے راوی جب حدیث کو بعد کی نسلوں تک منتقل کرتا ہے تو سیاق کے کچھ حصے ضائع ہو سکتے ہیں، اور محدثین نے اسی خطرے کے پیشِ نظر طرقِ حدیث کے جمع و تقابل کا طریقہ وضع کیا۔[83] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جوامع الکلم کے فہم میں اختصار اور سیاق کا باہمی تکمیلی رشتہ ہے اور ایک کو دوسرے سے الگ کر کے تجزیہ نامکمل رہتا ہے۔

باب ششم: تقابلی تجزیہ، معارضات اور ترکیبی نتیجہ

چاروں مظاہر کا باہمی ربط

گزشتہ ابواب سے واضح ہوا کہ سوال، جواب، سکوت اور اختصار ایک دوسرے سے الگ نہیں بلکہ ایک ہی تداولی نظام کے چار مربوط پہلو ہیں۔ سوال کی مذمت یا ترغیب کا فیصلہ جواب کی تشریعی قوت سے جڑا ہے؛ جواب کی بعض صورتیں سکوت پر منتج ہوتی ہیں؛ اور اختصار ان سب کو اس اقتصادِ بیان کے تابع کرتا ہے جس کا نتیجہ تشریعی استنباط کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ اس تعلق کو درج ذیل تصوراتی خاکے سے سمجھا جا سکتا ہے۔



تصویر 1: سوال، جواب، سکوت اور اختصار کا تداولی و اصولی تصوراتی خاکہ (مصنف کی اپنی تدوین)

پہلو	مغربی تداولیات	اصولِ فقہ
اساسِ حجیت	انسانی استعمال اور عرفِ لسانی	وحی، نص اور اجماعِ امت
مقصدِ تجزیہ	معنی کی توصیف و تشریح	استنباطِ حکم اور تکلیف کا تعین
بنیادی اکائی	کلامی فعل ((Speech Act	نص اور اس کی دلالت
سیاق کی نوعیت	مفروضہ و تعمیرِ نو	منقول اسبابِ ورود و نزول
سکوت کا مقام	ابلاغی حکمتِ عملی	حجتِ شرعی (تقریر) یا عفو

جدول 5: مغربی تداولیات اور اصولِ فقہ کا تقابلی جائزہ (مصنف کی اپنی تدوین)

معارضات اور ان کا جواب

اس تحقیق پر پہلا معارضہ یہ ہے کہ مغربی تداولی مقولات کا اطلاق نبوی نصوص پر تاریخی انطباق ((Anachronism کی صورت ہے جس میں ایک جدید لسانی نظام کو قدیم متن پر لاد دیا جاتا ہے۔ حلاق جیسے محققین بھی اس خطرے کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ اصولی نظام اپنی داخلی منطق اور فقہی

---

[80] ابو زہرہ، اصول الفقہ، مبحثِ اقتضاء؛ وہبہ زحیلی، اصول الفقہ الاسلامی (دمشق: دار الفکر، 1986ء)، مبحثِ دلالاتِ الفاظ۔

[81] یحییٰ بن شرف نووی، المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، طبع دوم (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1392ھ)، کتاب الامارۃ، باب قولہ ﷺ انما الاعمال بالنیۃ۔

[82] Kamali, *Principles of Islamic Jurisprudence*؛ ادیب صالح، تفسیر النصوص۔

[83] Jonathan A. C. Brown, *Hadith: Muhammad's Legacy in the Medieval and Modern World* (Oxford: Oneworld, 2009))؛ محمود احمد غازی، محاضراتِ حدیث (لاہور: الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، 2005ء)، باب روایت بالمعنی۔

مقاصد رکھتا ہے جسے خارجی نظریات کی روشنی میں مکمل طور پر نہیں سمجھا جا سکتا۔[84] اس کا جواب یہ ہے کہ مقالے نے تداولیات کو استنباط کا متبادل نہیں بلکہ تفہیم کا معاون بنایا ہے، اور ہر نتیجے کی اصل بنیاد اصولیین کے اپنے مباحث میں تلاش کی گئی ہے۔ مزید یہ کہ طہ عبدالرحمن کی طرح بہت سے مسلم محققین نے اس تطبیق کو تراث کے داخلی استمرار کے طور پر دیکھا ہے نہ کہ تحمیل کے طور پر۔[85]

دوسرا معارضہ تاریخی اسنادی نوعیت کا ہے۔ گولڈزیہر اور شاخت نے احادیث کی نسبت اور ان کے سیاقی روایات کو بعد کی تشکیل قرار دیا، اس لیے اگر روایتوں کا سیاق ہی مشتبہ ہو تو تداولی تجزیے کی بنیاد متزلزل ہو جاتی ہے۔[86] اعظمی نے شاخت کے دلائل کا مفصل رد پیش کیا اور ابتدائی ادوار میں کتابتِ حدیث اور اسناد کی تاریخی شہادتیں اکٹھی کیں،[87] جبکہ جوناتھن براؤن نے ان بحثوں کا جائزہ لے کر واضح کیا کہ محدثین کا نقدِ روایت اپنے ضابطوں میں انتہائی منظم تھا۔[88] اس تحقیق نے اسی بنا پر صرف صحیحین اور سننِ اربعہ کی ایسی روایات کو بنیاد بنایا جن کی صحت پر امت کا اتفاق یا قوی اعتماد ہے، اور ضعیف روایات کو، جیسے «من صمت نجا»، استدلال کا مرکز نہیں بنایا۔ تاہم یہ تسلیم کرنا لازم ہے کہ تداولی تجزیہ روایتِ حدیث کے تاریخی تنازعات کا حل نہیں، بلکہ ان روایات کی تفہیم کا ایک اضافی آلہ ہے جنہیں محدثین نے مستند قرار دیا ہے۔

ترکیبی نتیجہ

ان تمام مباحث سے یہ ترکیبی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ نبوی تداولیات ایک ایسا مربوط نظام ہے جو مخاطب کے حال، حکم کے مقصد اور امت کی ضرورت سے ہم آہنگ ہو کر ترتیب پاتا ہے۔ اصولیین کے مباحث دلالت، تقریر اور عفو نے عملاً جدید تداولیات کی بہت سی بصیرتوں کی پیش بینی کی، لیکن ان کی بنیاد وحی کے تصورِ ہدایت پر ہے جو انسانی ابلاغ کی صرف لسانی توضیحات سے ماورا ہے۔ اسی لیے تداولی تجزیہ اصولی فقہ کا ہمسر نہیں بلکہ اس کا مفید معاون ہے۔[89]

نتائج و سفارشات

تحقیق سے حسبِ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔ اول، حضورﷺ سے کیے گئے سوالات کی تکلمی قوت مختلف تھی، اور شارع نے سوال کی مذمت یا ترغیب کا مدار سائل کے مقصد اور تاثیری نتیجے کو بنایا نہ کہ سوال کے اصل فعل کو۔ دوم، جواب میں سوال سے عدول، سوال کے ذریعے جواب اور رعایتِ مخاطب جیسے اسالیب مناسبت کے اصول کی تطبیق ہیں، اور جواب کے تشریعی اثر کے سبب آپﷺ نے بعض مواقع پر تأمل بھی فرمایا۔ سوم، سکوت بطور تقریر، رضا، تادیب، انتظارِ وحی اور عفو مختلف دلالتوں کا حامل ہے، اور اس کی حجیت کا انحصار علم، قدرت اور مانع کی عدم موجودگی پر ہے۔ چہارم، جوامع الکلم کا اختصار سیاق کی معرفت کو ناگزیر بنا دیتا ہے اور یہی اصولی اختلافات کا ماخذ ہے۔

ان نتائج کی بنا پر یہ سفارشات پیش کی جاتی ہیں: اول، دینی جامعات کے شعبۂ حدیث و اصولِ فقہ میں تداولی و خطابی تجزیے کو ایک معاون مضمون کے طور پر شامل کیا جائے۔ دوم، اسبابِ ورود اور قرائنِ احوال پر مبنی ایک مربوط ڈیٹا بیس مرتب کیا جائے جو نصوص کے سیاق کو محفوظ رکھے۔ سوم، حدیثی ذخیرے میں سکوت اور تقریر کی نصوص پر الگ اشاریہ تیار کیا جائے۔ چہارم، عربی و اسلامی تداولی تراث اور جدید مغربی تداولیات کے تقابل پر مزید تحقیق کی جائے، تاکہ اس تطبیق کی حدود اور امکانات کا دقیق تعین ہو سکے۔

---

[84] Hallaq, *History of Islamic Legal Theories*, Introduction.

[85] طہ عبدالرحمن، اللسان والمیزان؛ صحراوی، التداولیۃ۔

[86] Ignaz Goldziher, *Muslim Studies*, vol. 2, ed. S. M. Stern, trans. C. R. Barber and S. M. Stern (London: George Allen & Unwin, 1971); Joseph Schacht, *The Origins of Muhammadan Jurisprudence* (Oxford: Clarendon Press, 1950).

[87] M. M. Azami, *On Schacht's Origins of Muhammadan Jurisprudence* (Riyadh: King Saud University; New York: John Wiley, 1985).

[88] Brown, *Hadith*.

[89] محمد الطاہر ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ، تحقیق محمد الطاہر المیساوی (عمان: دار النفائس، 2001ء)، باب مقاصد؛ Weiss, *Search for God's Law*۔

خلاصہ بحث

زیرِ نظر مقالے میں احادیثِ نبویہ میں سوال، جواب، سکوت اور اختصار کی دلالتوں کو خطابی اور اصولی فقہی دونوں زاویوں سے پرکھا گیا ہے۔ تحقیق نے واضح کیا کہ سوال کی ممانعت یا ترغیب کا مدار اس کی تکلمی قوت اور تاثیری نتیجے پر ہے، جواب کا عدول اور تنوع مخاطب کے حال اور حکم کے مقصد کی رعایت کا مظہر ہے، سکوت کی متعدد صورتیں تقریر، رضا، تادیب اور عفو کی مختلف دلالتیں رکھتی ہیں، اور جوامع الکلم کا اختصار نصوص کے استنباط میں سیاق کو ناگزیر بناتا ہے۔ مغربی تداولیات اور اصولِ فقہ کے تقابل سے ثابت ہوا کہ اصولیین کے مباحث میں تداولی بصیرتیں موجود ہیں، مگر دونوں نظام اپنی بنیاد اور مقصد میں مختلف ہیں؛ اس لیے تداولی تجزیہ اصولی منہج کا متبادل نہیں بلکہ اس کا معاون ہے۔ مستقبل کی تحقیق کو اس تطبیق کی حدود اور حدیثی سیاق کی تاریخی توثیق پر مزید توجہ دینی چاہیے۔

کتابیات Bibliography

القرآن الکریم۔

آمدی، علی بن محمد۔ الاحکام فی اصول الاحکام۔ تحقیق عبدالرزاق عفیفی۔ بیروت: المکتب الاسلامی، س ن۔

ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی۔ فتح الباری بشرح صحیح البخاری۔ تحقیق محب الدین الخطیب۔ بیروت: دار المعرفۃ، 1379ھ

ابن عاشور، محمد الطاہر۔ مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ۔ تحقیق محمد الطاہر المیساوی۔ عمان: دار النفائس، 2001ء۔

ابن قیم جوزیہ، محمد بن ابی بکر۔ اعلام الموقعین عن رب العالمین۔ تحقیق مشہور بن حسن آل سلمان۔ دمام: دار ابن الجوزی، 1423ھ

ابن ماجہ، محمد بن یزید۔ سنن ابن ماجہ۔ تحقیق محمد فؤاد عبدالباقی۔ قاہرہ: دار احیاء الکتب العربیۃ، س ن۔

ابن کثیر، اسماعیل بن عمر۔ تفسیر القرآن العظیم۔ تحقیق سامی بن محمد سلامہ۔ ریاض: دار طیبہ، 1999ء۔

ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی۔ سنن ابی داؤد۔ تحقیق شعیب الارنؤوط و محمد کامل قرہ بللی۔ بیروت: دار الرسالۃ العالمیۃ، 2009ء۔

ابو زہرہ، محمد۔ اصول الفقہ۔ قاہرہ: دار الفکر العربی، 1958ء۔

بخاری، محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری۔ تحقیق محمد زہیر بن ناصر الناصر۔ بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ

جاحظ، عمرو بن بحر۔ البیان والتبیین۔ تحقیق عبدالسلام محمد ہارون۔ قاہرہ: مکتبۃ الخانجی، 1998ء۔

جرجانی، عبدالقاہر۔ دلائل الاعجاز۔ تحقیق محمود محمد شاکر۔ قاہرہ: مکتبۃ الخانجی، 1992ء۔

خلاف، عبدالوہاب۔ علم اصول الفقہ۔ طبع دوازدہم۔ کویت: دار القلم، 1978ء۔

رازی، فخر الدین۔ مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)۔ طبع سوم۔ بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1420ھ

ریسونی، احمد۔ نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی۔ ہرنڈن: المعہد العالمی للفکر الاسلامی، 1992ء۔

زحیلی، وہبہ۔ اصول الفقہ الاسلامی۔ دمشق: دار الفکر، 1986ء۔

زرکشی، بدر الدین محمد بن بہادر۔ البحر المحیط فی اصول الفقہ۔ بیروت: دار الکتبی، 1994ء۔

زمخشری، محمود بن عمر۔ الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل۔ طبع سوم۔ بیروت: دار الکتاب العربی، 1407ھ

سکاکی، یوسف بن ابی بکر۔ مفتاح العلوم۔ تحقیق عبدالحمید ہنداوی۔ بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 2000ء۔

شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ۔ الاعتصام۔ تحقیق مشہور بن حسن آل سلمان۔ الخبر: دار ابن عفان، 1992ء۔

شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ۔ الموافقات فی اصول الشریعۃ۔ تحقیق مشہور بن حسن آل سلمان۔ الخبر: دار ابن عفان، 1997ء۔

شافعی، محمد بن ادریس۔ الرسالۃ۔ تحقیق احمد محمد شاکر۔ قاہرہ: مکتبۃ الحلبی، 1940ء۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ حجۃ اللہ البالغہ۔ تحقیق السید سابق۔ بیروت: دار الجیل، 2005ء۔

صالح، محمد ادیب۔ تفسیر النصوص فی الفقہ الاسلامی۔ بیروت: المکتب الاسلامی، 1984ء۔

صحراوی، مسعود۔ التداولیۃ عند العلماء العرب۔ بیروت: دار الطلیعۃ، 2005ء۔

طبری، محمد بن جریر۔ جامع البیان عن تاویل آی القرآن۔ تحقیق عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی۔ قاہرہ: دار ہجر، 2001ء۔
طہ عبدالرحمن۔ اللسان والمیزان او التکوثر العقلی۔ الدار البیضاء: المرکز الثقافی العربی، 1998ء۔
غازی، محمود احمد۔ محاضراتِ حدیث۔ لاہور: الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، 2005ء۔
غزالی، ابو حامد محمد بن محمد۔ المستصفیٰ من علم الاصول۔ تحقیق محمد عبدالسلام عبدالشافی۔ بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1993ء۔
قرافی، شہاب الدین احمد بن ادریس۔ شرح تنقیح الفصول فی اختصار المحصول فی الاصول۔ تحقیق طہ عبدالرؤوف سعد۔ قاہرہ: شرکۃ الطباعۃ الفنیۃ المتحدۃ، 1973ء۔
مجلۃ الاحکام العدلیۃ۔ کراچی: نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب، س ن۔
مسلم بن الحجاج نیشاپوری۔ صحیح مسلم۔ تحقیق محمد فؤاد عبدالباقی۔ بیروت: دار احیاء التراث العربی، س ن۔
نووی، یحییٰ بن شرف۔ الاربعون النوویۃ۔ تحقیق قصی محمد نورس الحلاق۔ جدہ: دار المنہاج، 1430ھ
نووی، یحییٰ بن شرف۔ المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج۔ طبع دوم۔ بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1392ھ

English Sources

Austin, J. L. *How to Do Things with Words*. Oxford: Clarendon Press, 1962.

Azami, M. M. *On Schacht's Origins of Muhammadan Jurisprudence*. Riyadh: King Saud University; New York: John Wiley, 1985.

Brown, Gillian, and George Yule. *Discourse Analysis*. Cambridge: Cambridge University Press, 1983.

Brown, Jonathan A. C. *Hadith: Muhammad's Legacy in the Medieval and Modern World*. Oxford: Oneworld, 2009.

Brown, Penelope, and Stephen C. Levinson. *Politeness: Some Universals in Language Usage*. Cambridge: Cambridge University Press, 1987.

Goldziher, Ignaz. *Muslim Studies*. Vol. 2. Edited by S. M. Stern. Translated by C. R. Barber and S. M. Stern. London: George Allen & Unwin, 1971.

Grice, H. P. "Logic and Conversation." In *Syntax and Semantics*, vol. 3, *Speech Acts*, edited by Peter Cole and Jerry L. Morgan, 41–58. New York: Academic Press, 1975.

Hallaq, Wael B. *A History of Islamic Legal Theories: An Introduction to Sunni Usul al-Fiqh*. Cambridge: Cambridge University Press, 1997.

Jaworski, Adam, ed. *The Power of Silence: Social and Pragmatic Perspectives*. Newbury Park, CA: Sage, 1993.

Kamali, Mohammad Hashim. *Principles of Islamic Jurisprudence*. 3rd ed. Cambridge: Islamic Texts Society, 2003.

Levinson, Stephen C. *Pragmatics*. Cambridge: Cambridge University Press, 1983.

Saville-Troike, Muriel. "The Place of Silence in an Integrated Theory of Communication." In *Perspectives on Silence*, edited by Deborah Tannen and Muriel Saville-Troike, 3–18. Norwood, NJ: Ablex, 1985.

Schacht, Joseph. *The Origins of Muhammadan Jurisprudence*. Oxford: Clarendon Press, 1950.

Searle, John R. *Expression and Meaning: Studies in the Theory of Speech Acts*. Cambridge: Cambridge University Press, 1979.

Searle, John R. *Speech Acts: An Essay in the Philosophy of Language*. Cambridge: Cambridge University Press, 1969.

Sperber, Dan, and Deirdre Wilson. *Relevance: Communication and Cognition*. Oxford: Blackwell, 1986.

Weiss, Bernard G. *The Search for God's Law: Islamic Jurisprudence in the Writings of Sayf al-Din al-Amidi*. Salt Lake City: University of Utah Press, 1992.